بسم اللہ الرحمٰن الرحیم　　نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم　　وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

خدا کے فضل اور رحم کیساتھ

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

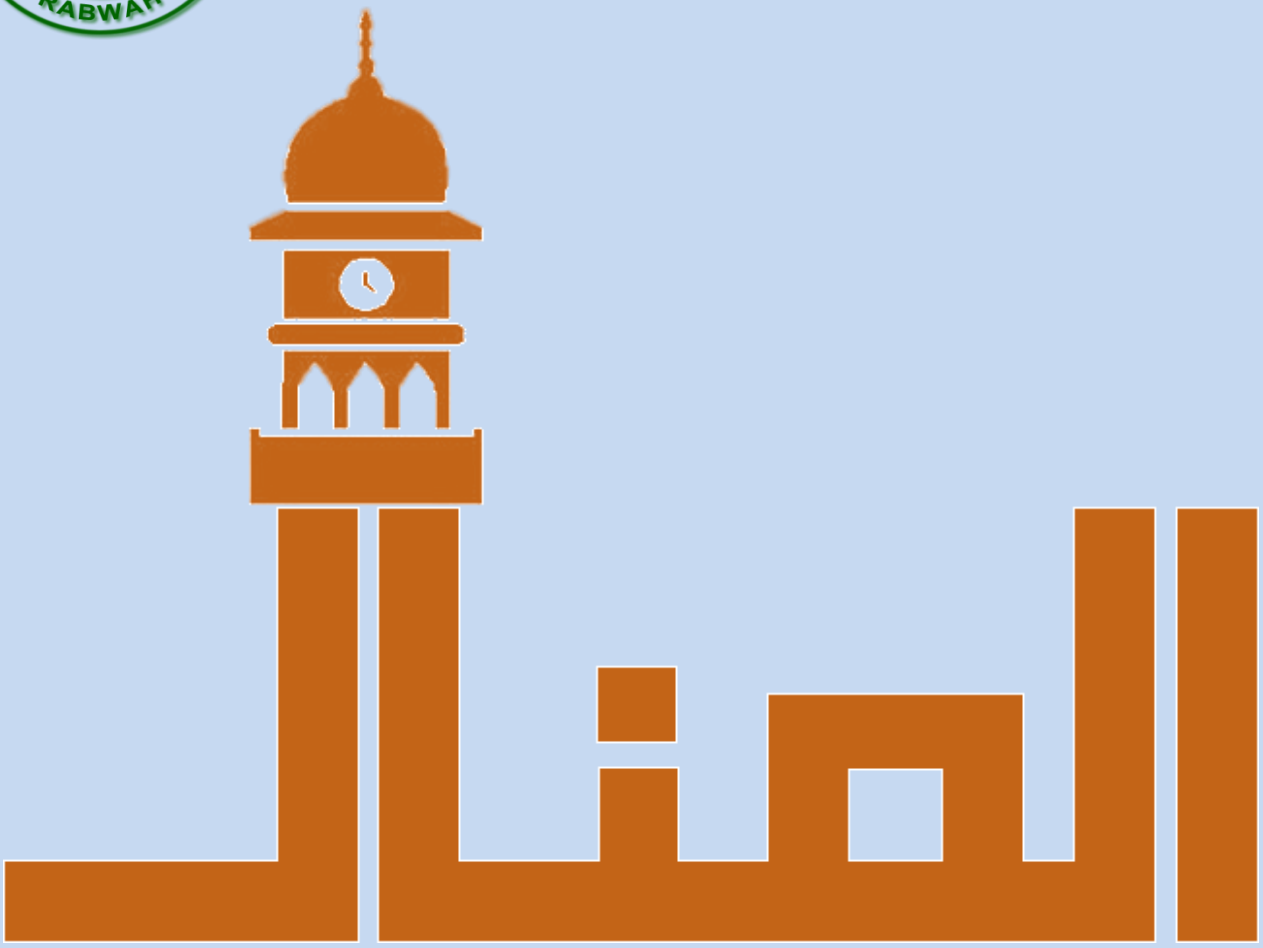

اکتوبر ۲۰۱۲

نگران۔ پروفیسر چوہدری حمید احمد۔ صدر تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

ایڈیٹر۔ چوہدری انیس احمد۔ سیکرٹری تعلیم لاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

مینیجر۔ چوہدری نصیر احمد

ترتیب وڈیزائن۔ محمد ظہیر احمد۔Software Engineer

ادارہ المنار اپنے قارئین کی خدمت میں

عید مبارک

عرض کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو، آپ کے اہل و عیال کو، دوست احباب کو عید کی برکات سے نوازے۔ ہر لمحہ آپکو اپنے حفظ و امان میں رکھے اور آپ کو ہر قسم کی روحانی اور دنیاوی خوشیاں نصیب کرے۔ آمین

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ
۱	ارشاد باری تعالی	۱
۲	فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام	۲
۳	ناظر صاحب اعلیٰ کے خط پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی	۳
۴	پیش لفظ۔صدر ایسو سی ایشن	۴
۵	تعلیم الاسلام کالج قادیان کا پہلا سال تحریر فضل الٰہی انوری۔رول نمبر"One"	۵
۶	ہمارے بزرگ اوران کا زمانہ طالب علمی حضرت مسعود احمد خان دہلوی مرحوم	۱۳
۸	پروفیسر مکرم چوہدری محمد شریف خالد صاحب کی یادیں ۔منیر احمد باجوہ ہیمبرگ جرمنی	۱۷
۹	تعلیم الاسلام کالج سے وابستگی کے تقاضے ۔ مکرم۔پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خاں	۲۲
۱۰	یادوں کے دریچے سے۔محمد اسحاق اطہر خان	۲۵
۱۱	انگریزی و جرمن سیکشن	۲۷

ارشاد باری تعالیٰ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۙ﴿۱۵۶﴾

ترجمہ : اور ہم ضرور تمہیں کچھ خوف اور کچھ بھوک اور کچھ اموال اور جانوں اور پھلوں کے نقصان کے ذریعہ آزمائیں گے۔اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے۔

فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام

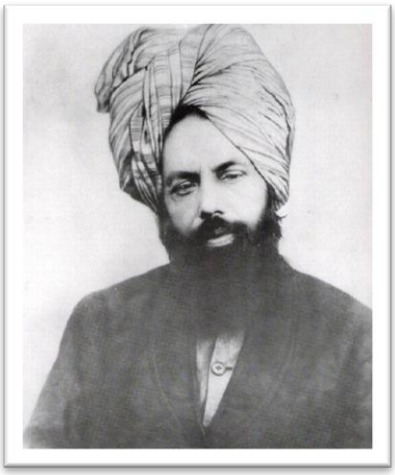

ہمدردی بنی نوع انسان

ہمارا یہ اصول ہے کہ کل بنی نوع کی ہمدردی کرو۔ اگر ایک شخص ایک ہمسایہ ہندو کو دیکھتا ہے کہ اس کے گھر میں آگ لگ گئی اور یہ نہیں اٹھتا کہ تا آگ بجھانے میں مدد دے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ وہ مجھ سے نہیں ہے۔ اگر ایک شخص ہمارے مریدوں میں سے دیکھتا ہے کہ ایک عیسائی کو کوئی قتل کرتا ہے اور وہ اس کے چھڑانے کے لئے مدد نہیں کرتا تو میں تمہیں بالکل درست کہتا ہوں کہ وہ ہم میں سے نہیں۔

(سراج منیر، روحانی خزائن جلد ۱۲ صفحہ ۲۸)

میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔

(اربعین نمبر ۱، روحانی خزائن جلد ۱۷ صفحہ ۳۴۴)

alislam.org

ناظر صاحب اعلیٰ کے خط پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی

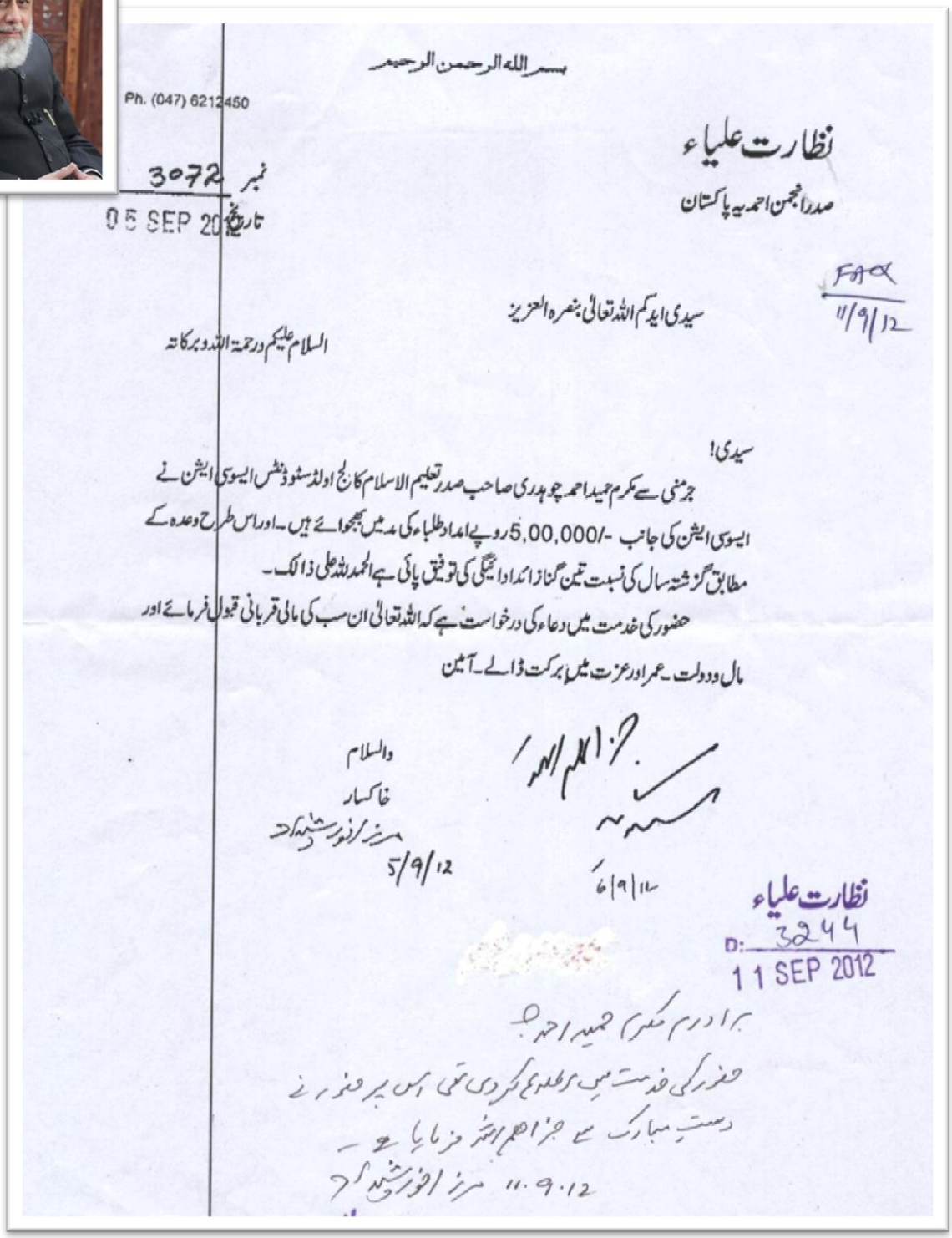

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Ph. (047) 6212450

نظارت علیاء
صدر انجمن احمدیہ پاکستان

نمبر 3072
تاریخ 05 SEP 2012

FAX
11/9/12

سیدی ایدکم اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

سیدی!

جرمنی سے مکرم حمید احمد چوہدری صاحب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے ایسوسی ایشن کی جانب -/5,00,000 روپے امداد طلباء کی مد میں بھجوائے ہیں۔ اور اس طرح وعدہ کے مطابق گزشتہ سال کی نسبت تین گنا زائد ادائیگی کی توفیق پائی ہے الحمد للہ علی ذالک۔

حضور کی خدمت میں دعاء کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کی مالی قربانی قبول فرمائے اور مال و دولت۔ عمر اور عزت میں برکت ڈالے۔ آمین

والسلام
خاکسار
مرزا خورشید احمد
5/9/12

جزاکم اللہ
مسرور
6/9/12

نظارت علیاء
D: 3244
11 SEP 2012

برادرم مکرم حمید احمد صاحب
حضور کی خدمت میں اطلاع کر دی تھی اس پر حضور نے دست مبارک سے جزاکم اللہ فرمایا ہے۔
مرزا خورشید احمد 11.9.12

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مکرم حمید احمد چوہدری صاحب
صدر ایسو سی ایشن

الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے آپ کا سہ ماہی رسالہ المنار آپ کی خدمت میں ایک بات پھر پیش کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ خاکسار نے اس سے قبل بھی آپ سب دوست احباب کی خدمت میں درخواست کی تھی کہ آپ کے تعاون کے بغیر یہ سلسلہ جاری رکھنا مشکل ہے۔ خاکسار کی اپنی صحت بھی دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔ اور کمپیوٹر کے معاملہ میں میرا علم بھی صفر ہے۔ ہمارے بہت ہی پیارے اور مہربان عزیز مکرم محترم محمد ظہیر احمد صاحب سافٹ ویئر انجنیئر اپنے کل وقتی جاب سے آپ کے رسالہ کے لئے وقت نکال کر ہماری مدد کرتے ہئں تو یہ کا چل رہا ہے۔ ورنہ تو میری طاقت میں نہیں رہے گا۔ حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ تو ہم لوگوں پر بہت حسن ظن رکھتے ہیں۔ خدا کرے ہم ان کی توقعات پر پورا اترنے کی کوشش کرتے رہیں۔

جہاں تک مالی معاملہ کا تعلق ہے اس میں تو بعض دوستوں نے بڑی فراخدلی سے وظائف فنڈ میں حصہ لیا۔ اس قدر کہ ہم خدا کے فضل سے اس قابل ہو گئے کہ خلیفہ وقت سے جو وعدہ کیا تھا کہ اس سال ہم چندہ کی رقم تین گنا کر دیں گے وہ نہ صرف پورا ہو گیا بلکہ اس سے پچاس ہزار روپیہ بڑھا کر ناظر صاحب اعلیٰ کی خدمت میں بر وقت پیش کر دیا۔ فاالحمدللہ۔ مگر کچھ دوست ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنی سالانہ ممبر شپ فیس بھی ابھی تک ادا نہیں کہ۔ اس معاملہ میں ہمارے سیکرٹری صاحب مال کی بھی سستی ہے کہ انہوں نے بھی کماحقہ اس طرف توجہ نہیں کی۔

حضور کی یہ خواہش بھی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بھی ساتھ شامل کریں۔ دوران سال خدا کے فضل سے پندرہ بچے ممبر شپ فیس ادا کر کے باقاعدہ شامل ہو گئے ہیں مگر اگر آپ سب ہمت اور توجہ کریں تو اس تعداد کو اسی سال کے اختتام تک کم از کم پچاس تک بڑھا سکتے ہیں۔

خاکسار حمید احمد چوہدری
صدر ایسو سی ایشن

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحیم نَحمَدہٗ وَنُصَلّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم وَعَلٰی عَبدِہِ المَسِیحِ المَوعُود

برادرم پروفیسر چودھری حمید احمد صاحب صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن، جرمنی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔

امید ہے آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے بخیر عافیت ہونگے۔ المنار کا دوسرا شمارہ دیکھنے اور پڑھنے میں آیا۔ ماشاءاللہ پہلے شمارہ کی طرح دیدہ زیب اور مفید اور دلچسپ مضامین سے پر ہے۔ اس میں مکرم بشیر احمد صاحب رفیق صاحب کا مضمون پڑھ کر مجھے بھی خیال آیا کہ میں بھی تعلیم الاسلام کالج قادیان کے پہلے سال کے اپنے کچھ چشم دید واقعات بیان کردوں۔ سو اسی مکتوب کے ساتھ ایک مضمون ارسال ہے۔ آپ پڑھنے پر اگر مناسب خیال فرماویں تو ایڈیٹر صاحب المنار کو بھجوادیں۔ ایک دوسرا مضمون کالج کے لاہور کے بالکل ابتدائی زمانے سے متعلق بھی تیار کر رہا ہوں جو انشاءاللہ رسالہ کے اگلے شمارہ کی اشاعت کے لئے بھجوادوں گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام۔ خاکسار فضل الٰہی انوری

تعلیم الاسلام کالج قادیان کا پہلا سال

مولانا فضل الٰہی انوری صاحب۔ رول نمبر "One"

گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ سے ۱۹۴۴ء میں میٹرکولیشن کا امتحان پاس کرنے کے بعد خاکسار کا مالی وسائل کے پیش نظر آگے تعلیم حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہ تھا کہ اخبار الفضل میں پڑھنے میں آیا کہ قادیان میں کالج کھل گیا ہے، جن احمدی طلبہ نے میٹرک پاس کر لیا ہو اور وہ اس میں داخلہ لینا چاہیں، وہ فلاں تاریخ تک قادیان پہنچ جائیں۔ چنانچہ خاکسار اپنے والدین سے مشورہ کرنے کے بعد تعلیم الاسلام کے نام سے کھلنے والے اس کالج میں داخلہ لینے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس سے قبل خاکسار ۱۹۴۰ء کے جلسہ سالانہ پر

اپنے ابا جان ماسٹر امام علی صاحب حضور پوری کے ساتھ قادیان دیکھ چکا تھا۔ قادیان احمدیت کا عالمی مرکز اور خلافت کا پائے ٔ تخت ہونے کے لحاظ سے ہر احمدی کی توجہات کا مرکز تو تھا ہی، تاہم خاکسار کے لئے اس میں علاوہ اس کے ایک ذاتی دلچسپی یہ بھی تھی کہ یہاں خاکسار کی ایک تائی صاحبہ غلام فاطمہ (بیوہ ماسٹر محمد زمان صاحب مرحوم) رہ رہی تھیں جن کا نام ہم اپنے گھر میں اکثر سنتے رہتے تھے اور جنہیں میں ۱۹۴۰ء کے جلسہ سالانہ پر قادیان میں اپنی پہلی بار آمد کے موقع پر دیکھ بھی چکا تھا۔ خاکسار کے یہ تایا جو اپنے بھائیوں میں سے سب سے بڑے تھے اور خاندان میں سب سے پہلے آپ ہی نے احمدیت قبول کی تھی، ۱۹۱۴ء کے لگ بھگ بطور ٹیچر قادیان میں آئے تھے مگر ان کی عمر نے وفا نہ کی اور وہ تپ محرقہ سے بیمار ہو کر ۱۹۱۹ء میں فوت ہو گئے اور بہشتی مقبرہ قادیان میں دفن ہوئے۔ یہ خلافت ثانیہ کا ابتدائی زمانہ تھا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ انہیں اچھی طرح جانتے تھے بلکہ آپ ہی کے مشورہ پر خاکسار کی تائی صاحبہ اپنے میاں کی وفات کے بعد دار المسیح قادیان میں منتقل ہو کر بعض دیگر بیوہ عورتوں کے ہمراہ رہنے لگ گئی تھیں۔

چنانچہ اس کالج میں داخلہ لینے کی غرض سے خاکسار جون ۱۹۴۴ء کی کسی تاریخ کو بھیرہ سے گاڑی پر سوار ہو کر لاہور اور امرتسر سے ہوتا ہوا قادیان پہنچ گیا اور مہمان خانہ میں اترا۔ اسی شام مسجد مبارک میں مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما ہوئے تو خاکسار نے بطور بھتیجہ ماسٹر محمد زمان حضور سے اپنا تعارف کرایا اور اپنے قادیان آنے کی غرض بیان کی۔ اسی شام یا اس سے اگلے روز خاکسار اپنی تائی صاحبہ سے بھی ملا۔ وہ بہت خوش ہوئیں، گھر کا حال احوال پوچھا اور ملتے رہنے کے لئے کہا۔

کالج میں داخلے شروع ہو چکے تھے۔ چنانچہ خاکسار نے مجوزہ فارم پر داخلے کی درخواست جمع کرا دی۔ رہائش کے لئے معلوم ہوا کہ محلہ دار الانوار میں ''گیسٹ ہاؤس'' کے نام سے ایک نئی تعمیر شدہ عمارت میں کالج کا عارضی ہوسٹل کھل گیا ہے۔ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ مکرم چودھری محمد علی صاحب تھے۔ چند دنوں کے بعد اس وقت تک کالج میں داخلہ کے امیدواروں کو انٹرویو کے لئے بلایا گیا۔ یہ تو معلوم ہو چکا تھا کہ اس کالج کے پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحب ہیں جو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے سب سے بڑے صاحبزادے ہیں اور چند سال قبل آکسفورڈ یونیوسٹی سے گریجوئیشن کرنے کے بعد واپس لوٹے تھے مگر تا حال آپ سے ملاقات نہ ہوئی تھی۔ جب خاکسار انٹرویو کے لئے بورڈ کے سامنے پیش ہوا تو پہلی بار حضور کی بارعب شخصیت سامنے آئی۔ حضور کے علاوہ بورڈ کے ممبران میں اُس وقت تک کے پروفیسران کرام بھی موجود تھے۔ ان میں خاکسار سوائے پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب کے جو بھیرہ کے رہنے والے تھے، اَور کسی کو نہیں جانتا تھا تاہم پرنسپل صاحب کے علاوہ جس شخصیت نے مجھے

سب سے زیادہ متاثر کیا، وہ پروفیسر اخوند عبدالقادر صاحب مرحوم تھے۔ انہوں نے انٹرویو کے دوران انگریزی میں مجھ سے ایک سوال کیا۔ سوال کیا تھا، ایک مختصر سی حکایت بیان کی اور بیان کر کے انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ بتائیں ایسا کیوں ہوا۔ مجھے تو حکایت کی ہی سمجھ نہ آئی تھی، میں جواب کیا دیتا۔ میرا جواب صرف یہ تھا:

I beg your pardon , sir

میرے اس جواب پر بورڈ کے تمام ممبران مسکرادئے اور خاکسار شرمسار ہو کر رہ گیا۔ بہر حال میرا داخلہ ہو چکا تھا اور جیسا کہ جلد پتہ چل گیا، مجھے رول نمبر One دیا گیا تھا۔ اس کی وجہ جیسا کہ بعد میں معلوم ہوئی، یہ تھی کہ اُس وقت تک داخل ہونے والے تمام طلبہ جو تعداد میں ۵۱ تھے، انہیں میٹرکولیشن کے امتحان میں حاصل ہونے والے نمبروں کے لحاظ سے ترتیب دیا گیا تھا اور ان میں میرے نمبر سب سے زیادہ یعنی ۶۲۳ تھے۔ بعد میں اگرچہ بعض ایسے طلبہ بھی داخل ہوئے جنہوں نے اس سے زیادہ نمبر حاصل کئے تھے بلکہ ایک نے یونیورسٹی میں وظیفہ بھی حاصل کیا تھا، میرا رول نمبر One ہی رہا۔

تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب

تعلیم الاسلام کالج کے انتظامی امور کی سرانجام دہی کے لئے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک کمیٹی تشکیل دی تھی جس کے ممبران مندرجہ ذیل تھے: حضرت صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب، ایم۔اے (صدر)۔ حضرت صاحبزادہ میاں ناصر احمد صاحب (پرنسپل کالج)۔ حضرت مولوی محمد دین صاحب، بی۔اے۔ قاضی محمد اسلم صاحب ایم۔اے۔ ملک غلام فرید صاحب۔ ایم۔اے (سیکرٹری)۔

بتاریخ ۴؍جون ۱۹۴۴ء حضور کی صدارت میں تعلیم الاسلام کالج کی افتتاحی تقریب منعقد ہوئی جس میں کالج کی کمیٹی کے صدر اور ممبران کے علاوہ صدر انجمن احمدیہ کے ممبران اور صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ اس تقریب کی جملہ کاروائی کالج کی عمارت کے سامنے والے کھلے میدان میں سرانجام پائی، جسکے بارے میں خاکسار کو سوائے اس کے کچھ یاد نہیں کہ تلاوت کریم کے بعد نظم پڑھنے کا اعزاز خاکسار کے حصے میں آیا۔ اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میں بہت اچھی نظمیں پڑھنے والا تھا بلکہ ہوا یہ کہ ہوسٹل میں داخل ہونے والے طلبہ کے درمیان مکرم چودھری محمد علی صاحب سپرنٹنڈنٹ ہوسٹل کی زیر صدارت جو نظم خوانی کا مقابلہ ہوا، اس میں قرعہ خاکسار کے نام نکلا۔ مجھے یاد ہے کہ مکرم چودھری صاحب موصوف نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی نظم ''نو نہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے۔ پر ہے یہ شرط کہ ضائع مرا پیغام نہ ہو'' مجھ سے کئی بار پڑھوائی، اس کے الفاظ درست کئے، لب

لہجہ کے بارے میں ہدایات دیں اور چونکہ یہ نظم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی موجودگی میں پڑھی جانی تھی، اس لئے ہر طرح سے تسلی کرلی کہ تلفظ میں مجھ سے کوئی غلطی سرزد نہ ہو۔ یہ نظم خاکسار نے پڑھی تو سہی لیکن خود مجھے اس کے پڑھنے میں ذرہ بھر لطف نہ آیا۔ لازماً یہی صورت سامعین کی ہوگی۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، یہ کالج کا سال اوّل تھا یعنی ایک ہی کلاس۔ فرسٹ ائر۔ کی تھی جس میں اُس وقت تک کل ۵۱ طلبہ داخلہ لے چکے تھے۔ ان میں سائنس گروپ کے ۲۴ طلبہ اور آرٹ گروپ کے ۲۷ طلبہ تھے۔ خاکسار خود سائنس گروپ میں شامل تھا۔ افتتاحی تقریب کے بعد کلاسیں شروع ہوگئیں۔ ہمارے فزکس کے پروفیسر مکرم پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب تھے جنہیں خاکسار بھیرہ ہی سے جانتا تھا۔ آپ شاہ پور کالج میں پڑھا رہے تھے جہاں انہیں مبلغ چھ صد روپے تنخواہ مل رہی تھی مگر صدر انجمن کے حکم پر آپ وہاں سے استعفیٰ دے کر تعلیم الاسلام کالج میں صرف ۱۰۰ روپے مشاہرہ پر آگئے۔ کیمسٹری کے پروفیسر مکرم پروفیسر یحیٰ بن عیسیٰ ایک بہاری تھے۔ غالباً وہ بھی اسی قسم کی قربانی کر کے بہار سے تشریف لائے تھے۔ انگریزی کے پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر صاحب تھے۔ آپ اس سے قبل تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں انگریزی پڑھا رہے تھے اور کالج بن جانے پر آپ کو کالج میں لے لیا گیا۔ ریاضی کے پروفیسر چودھری عبدالرحمن صاحب تھے۔ دیگر پروفیسران کے بارے میں خاکسار کو سوائے مکرم چودھری محمد علی صاحب اور صوفی بشارت الرحمن صاحب کے اس وقت کچھ یاد نہیں۔ اول الذکر فضل عمر ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ ہونے کے علاوہ سائیکالوجی کے پروفیسر تھے جبکہ مؤالذکر ہوسٹل کے ٹیوٹر اور دینی امور کے نگران ہونے کے علاوہ عربی کے پروفیسر تھے۔ ہر دو پروفیسران غالباً انہی ایام میں پنجاب یونیورسٹی سے اپنے اپنے مضامین کی ڈگریاں لے کر فارغ ہوئے تھے۔

دو مہینے کے بعد کالج موسم گرما کی تعطیلات کے باعث بند ہوگیا اور تمام طلبہ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ چھٹیاں شروع ہونے سے ایک دن قبل پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر صاحب نے سب طلبہ کو گھر پہنچ کر خط لکھنے کو کہا۔ اپنا قادیان کا پتہ انہوں نے سب طلبہ کو لکھوادیا۔ ظاہر ہے کہ یہ خط انہیں انگریزی میں لکھا جانا تھا۔ چنانچہ خاکسار جب اپنے گھر بھیرہ میں پہنچا تو گھر والوں سے ملنے ملانے سے فارغ ہونے کے بعد ایک دن خط لکھنے کے ارادہ سے بیٹھ گیا۔ دسویں تو پاس کرلی ہوئی تھی مگر اس سے قبل کبھی کسی کو انگریزی میں خط نہیں لکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ چنانچہ یاد ہے کہ میں اردو۔ انگریزی ڈکشنری کھول کر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ پہلے تو یہ پتہ نہ چلے کہ کیا لکھوں۔ قادیان سے واپس آتے ہوئے میں ایک دن امرتسر میں رکا تھا اور وہاں سکھوں کا مقدس مقام Golden Temple جو لوگوں میں ''دربار صاحب'' کہلاتا ہے، دیکھنے گیا تھا۔ چنانچہ اسی کے بارے میں لکھنا شروع کیا کہ وہ کیسا

تھا، وغیرہ۔ دو صفحوں پر مشتمل یہ خط میں نے قریباً چھ گھنٹوں میں مکمل کیا اور اگلے دن ڈاک میں ڈال دیا۔ اس کا اخوند صاحب کی طرف سے فوراً ہی انگریزی میں لکھا ہوا جواب ملا۔ بس میں خوش ہو گیا کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ تعطیلات ختم ہونے پر جب میں قادیان پہنچا تو اخوند صاحب نے پہلا سوال مجھ سے یہ کیا:

receive my letter? Did you

اُس وقت مجھے محسوس ہوا کہ میں نے کس قدر خطا کی ہے کہ آپ کو جواب تک نہیں لکھا۔

کالج کی اُس زمانے کی یادوں میں سے اس سے زیادہ کوئی قابل ذکر بات نہیں کہ ان ایام میں قادیان میں صحابہ کرام کی ایک اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ ہوسٹل کے سپرنٹنڈنٹ مکرم چودھری محمد علی صاحب جو نئے نئے احمدی ہوئے تھے، ان صحابہ کے مقام کو خوب سمجھتے تھے۔ چنانچہ آپ اکثر کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کر کے موجود صحابہ میں سے کسی کو ہوسٹل میں آنے کی دعوت دیتے اور ان کی تقریر کروایا کرتے تھے۔ اس طرح جن صحابہ کی تقریروں کو ہمیں سننے کا موقع ملا، ان میں سے مندرجہ ذیل کے نام خاکسار کو یاد ہیں: حضرت سید سرور شاہ صاحبؓ۔ حضرت بابا حسن محمد صاحبؓ (موصی نمبر ایک اور مکرم مولوی رحمت علی صاحب مبلغ انڈونیشیا کے والد محترم)۔ مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ بخارا۔ چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ۔

قادیان میں قیام کے دوران کا ہمارا دوسرا محبوب مشغلہ مسجد مبارک میں شام کی نماز کے بعد مجلس عرفان میں شامل ہونا تھا۔ ان ایام میں حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی قریباً روزانہ ہی مغرب کی نماز کے بعد مسجد مبارک میں تشریف رکھتے۔ اس کے لئے خاص بنچ تیار کروائے گئے تھے جو نماز کے فوراً بعد محراب کے سامنے نصف دائرہ کی شکل میں رکھ دئے جاتے اور پھر حضور کے درمیان میں تشریف رکھنے کے بعد چند مخصوص صحابہ حضور کے دائیں بائیں بیٹھ جاتے۔ ان میں سے اِس وقت صرف حضرت سید سرور شاہ صاحب کا نام خاکسار کو یاد ہے۔ آپ حضور کے استاد بھی تھے۔ یہ مجلس جس میں کوئی خاص موضوع بحث نہیں ہوتا تھا اور جو عشا کی نماز تک جاری رہتی، اسے بجا طور پر ''مجلس عرفان'' کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔

ہوسٹل کی مخصوص یادوں میں سے ایک ایسی یاد جس کا بابرکت اثر ابھی تک دلوں پر قائم ہے، وہ ایک واقعہ ہے جو صرف ایک بار پہلی کلاس کے ہوسٹل میں مقیم طلبہ کے حصے میں آیا۔ خاکسار اوپر عرض کر چکا ہے کہ ہمارا ہوسٹل دارالانوار سڑک کے اوپر واقع ایک عمارت میں قائم ہوا۔ اس سڑک پر منجملہ دیگر عمارات کے جو سڑک کے دائیں بائیں دور تک چلی گئی تھیں، ایک عمارت مکرم پرنسپل صاحب کی کوٹھی بھی تھی جو اس سڑک کے آخر پر واقع تھی۔ ہم نے کئی بار دیکھا کہ حضرت ام المؤمنین جنہیں حضرت صاحبزادہ میاں ناصر احمد سے خاص پیار تھا بلکہ آپ انہیں اپنے وفات یافتہ بیٹے مبارک احمد کا بدل سمجھتی تھیں، بعض خواتین کی

معیت میں اُس سڑک پر پاپیادہ چلتے ہوئے کوٹھی حضرت میاں ناصر کی طرف جارہی ہیں۔ایک دن مکرم چودھری محمد علی صاحب نے ہوسٹل کے طلبہ سے فرمایا کہ اب جس دن حضرت ام المؤمنین کا گذر ہوگا،انہیں بتادیا جائے گا۔اس وقت ہوسٹل میں موجود تمام طلبہ سڑک پر ایک جانب قطار میں کھڑے ہو جائیں اور جب حضرت ام المؤمنین گذرنے لگیں تو سب مل کر انہیں السلام علیکم کہیں۔یہ تقریب پیدا ہوئی اور جو خوش قسمت طلبہ اس وقت ہوسٹل میں موجود تھے،انہوں نے اس بابرکت تقریب میں حصہ لیا۔ایک سال کے بعد ہمارا ہوسٹل وہاں سے منتقل ہو کر دارالعلوم میں واقع کالج کی عمارت کے قریب ایک نئی خام اینٹوں سے تیار کردہ عمارت میں آگیا اور پھر اس جیسی کوئی تقریب دوبارہ پیدا نہ ہوئی۔

کالج کے پرنسپل حضرت میاں ناصر احمد صاحب (بعدہ خلیفۃ المسیح الثالثؒ) کے طفیل حضرت اماں جان یعنی ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے کالج سے اپنی محبت اور دلداری کا اظہار اس طور پر فرمایا کہ آپؓ نے کالج کے ہوسٹل کے لئے اپنے بہت سے ذاتی برتن از قسم دیگچے، دیگچیاں، پراتیں، پلیٹیں، گلاس وغیرہ مرحمت فرمادئے۔چنانچہ اوائل میں انہیں برتنوں میں ہوسٹل کے طلبہ کے لئے کھانا پکتا اور طلبہ کو دیا جاتا۔ان میں سے ہر برتن پر ''نصرت جہان بیگم'' کے مبارک الفاظ کندہ تھے۔

اس سلسلے میں مناسب ہوگا کہ ہوسٹل کے طلبہ کے ساتھ حضرت پرنسپل کی ذاتی شفقت کا بھی ایک واقعہ بیان کر دیا جائے۔چنانچہ مکرم چودھری محمد علی صاحب بیان فرماتے ہیں:

''ابھی قادیان میں کالج شروع ہوئے دو چار دن ہی ہوئے تھے کہ ایک رات شدید بارش ہوئی۔ صبح اٹھے تو آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے۔اور اس کے ساتھ ہلکی ہلکی بوندا باندی بھی ہو رہی تھی۔ہم نے گیسٹ ہاؤس سے حضور کی خدمت میں درخواست بھیجی کہ بارش ہو رہی ہے اور ہوسٹل کالج سے فاصلے پر ہے،آج چھٹی کا اعلان کر دیا جائے۔اس پر جو جواب آپ کی طرف سے آیا،وہ کچھ اس طرح کا تھا:'اچھا اگر کل بھی بارش ہوئی اور پرسوں بھی تو پھر''۔اس پر ہم لوگ بہت شرمندہ ہوئے کہ ایسی نامعقول درخواست بھیجی ہی کیوں۔اور پھر کالج جانے کی تیاری کرنے لگے۔اس پر ابھی دو چار منٹ ہی گذرے ہونگے کہ حضور بنفس نفیس ہوسٹل میں تشریف لائے۔ہماری یہ حالت تھی کہ اپنی احمقانہ درخواست پر پہلے ہی شرمندہ ہو رہے تھے۔ہم نے معذرت کرنی چاہی تو فرمایا کہ چلو کسی بڑے کمرے میں بیٹھیں۔اب ہر کمرہ ہی چارپائیوں سے پُر تھا۔وہاں ایک چارپائی پر حضور خود تشریف فرما ہوئے اور دوسری چارپائیوں پر ہمیں بیٹھنے کو کہا۔جب ہم نے دوبارہ معافی مانگی تو فرمایا:

''اب اس جرم کی سزا یہ ہے کہ ایک تو آج چھٹی۔دوسرے،اپنی کوئی نظم سنائیں''

مکرم چودھری صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی دانست میں اپنے اس عیب کو چھپایا ہوا تھا۔مگر اب ظاہر کرنا ہی

پڑا۔ چنانچہ نظم بھی ہوئی اور پھر کلائی پکڑنے کا دَور شروع ہوا۔ اور اس طرح پر کچھ دیر تک ہوسٹل میں خوب چہل پہل رہی۔ جب حضور یہ خوشیاں بکھیر کر واپس تشریف لے گئے تو ہم میں سے ہر ایک اپنی خوش بختی پر ناز کر رہا تھا۔ خاکسار اپنے ذاتی تجربہ پر کہتا ہے کہ حضرت پرنسیپل صاحب نے کالج کے طلبہ کے ساتھ اپنے پیار اور محبت کی یہ دولت ہمیشہ بانٹی۔

نظموں کا ذکر چل پڑا ہے تو ایک دو لطیفے خاکسار بھی بیان کر دیتا ہے۔ ان دنوں ہوسٹل میں رہنے والا ہر طالب علم ہی کچھ نہ کچھ کہتا رہتا تھا۔ ہمارے ایک طالب علم محمد اکرم صاحب غالباً ایمن آباد سے آئے تھے۔ ''افگار'' تخلص فرماتے تھے۔ بڑی ستھری نظمیں کہا کرتے۔ انہوں نے ایک بار ایک مزاحیہ نظم کہی۔ ''مریض عشق'' عنوان رکھا۔ بڑے دلچسپ شعر تھے اس کے۔ وہ سارے تو بھول گئے ہیں۔ صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے اور وہ یہ تھا:

''یار کی جھڑکیں بھی تو لہ چاہئیں۔ تو یہ بن جائے گی اک معجون سی''

ایک اَور طالب علم تھے جو ڈیرہ غازی خان کے رہنے والے تھے۔ نام تو ان کا بھول گیا ہے مگر ان کا تخلص یاد رہ گیا ہے۔ ''دہقان'' تھا ان کا تخلص اور نظمیں بھی دہقانوں والی کہا کرتے۔ مثلاً ایک بار انہوں نے گھر جانے کے لئے چھٹی کی درخواست حضرت پرنسیپل کی خدمت میں بھیجی جو نامنظور ہوئی۔ اس پر انہوں نے ایک پوری نظم لکھ ڈالی۔ اس کے بھی سارے شعر بھول گئے ہیں ، صرف مطلع یاد رہ گیا ہے جو یہ تھا:

''عرضی نامنظور میری جب پرنسیپل نے کی۔ دل دھڑکنے لگ گیا اور بے بسی رونے لگی''

آخر پر تحدیث نعمت کے طور پر خاکسار تعلیم الاسلام کالج میں تعلیم کے دوران کی اپنی ایک خواب بیان کرنی چاہتا ہے۔ جب یہ عاجز ایف۔ ایس، سی (F.Sc.) کا امتحان دے رہا تھا تو جس دن فزکس (Physics) کا پرچہ ہونا تھا، اس سے دو دن قبل خاکسار نے رات خواب میں دیکھا کہ

''میں کمرۂ امتحان میں ہوں (پنجاب یونیورسٹی کا یہ امتحان ہمارے کالج کے ہال میں ہو رہا تھا)۔ فزکس کا پرچہ ہے اور ممتحن پرچے تقسیم کر رہا ہے کہ پرچے کم پڑ گئے ہیں۔ اس پر ممتحن بلیک بورڈ پر سوالات لکھنے شروع کر دیتا ہے تاکہ جن لڑکوں کو پرچۂ سوالات نہیں ملا، وہ نقل کر لیں ۔ خاکسار بھی ان لڑکوں میں سے ہے جنہیں پرچہ نہیں ملا تھا۔ چنانچہ میں نے بھی سوالات نقل کرنے شروع کر دئے۔ اسی دوران آنکھ کھل گئی۔ جب نیند سے بیدار ہوا تو تمام سوالات سوائے ایک کے ذہن سے محو ہو چکے تھے۔ اور وہ سوال یہ تھا:

Find the velocity of light according to Fizeo's method?

یعنی روشنی کی رفتار فزیو(ایک سائنسدان جس نے روشنی کی رفتار دریافت کی تھی) کے طریق پر آپ کیسے دریافت کریں گے؟''

اب ہمارے نصاب میں روشنی معلوم کرنے کے دو طریق تھے: ایک فزیو کا طریق اور دوسرا ایک اَور سائنسدان کا طریق۔ میں نے پہلا طریق مشکل سمجھتے ہوئے اسے چھوڑ کر دوسرے طریق کی پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ جب خواب میں مجھے فزیو والا طریق دکھائی دیا تو میں نے ایک پورا دن لگا کر اس کی اچھی طرح تیار کر لی۔ نیز اپنے ایک کلاس فیلو (برادرم نذیر احمد صاحب گجراتی، ایم ۔ایس، سی) کو بھی بتا دیا کہ میرے خیال میں امتحان میں یہ سوال آرہا ہے۔ اب جب امتحان کا دن آیا اور خاکسار کمرۂ امتحان میں گیا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ پرچے میں پہلا سوال ہی یہ تھا کہ

Find the velocity of light according to Fizeo's method?

چنانچہ میں نے وہ سوال حل کیا اور ٹھیک حل کیا اور خدا تعالیٰ کا شکر بجالایا کہ اس نے اپنے خاص فضل سے رہنمائی فرمائی۔

اگلی قسط میں خاکسار تعلیم الاسلام کالج کے لاہور کے زمانہ کے اپنے کچھ تاثرات بیان کرے گا۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

ہمارے بزرگ اور ان کا زمانہ طالب علمی

المنار کے گزشتہ شماروں کی طرح اس بار بھی اپنے بزرگوں کے زمانہ طالب علمی کے وہ ایمان افروز واقعات شامل کئے جارہے ہیں جو ہماری آئندہ نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوتے رہیں گے۔ کچھ عرصہ قبل میں نے حضرت مسعود احمد خان دہلوی مرحوم کی خود نوشت "سفر حیات" جو برادرم محترم عرفان احمد خان صاحب نے پ 2011 میں شائع کی تھی، کا مطالعہ کیا تو جہاں ان کی دیگر جماعتی خدمات کا پڑھ اس خادم سلسلہ کی بلندئ درجات کے لئے دل سے دعا کا نکلی، وہاں ان کی زمانہ طالب علمی میں جرأت۔ حاضر جوابی اور علم دوستی میں اس قدر متاثر ہوا کہ میں نے مناسب سمجھا توکل علی اللہ کہ ان سبق آموز واقعات کو المنار میں شائع کر کے تمام دوستوں کو اس لطف میں شامل کروں۔ جناب مسعود احمد خان دہلوی مرحوم کی شخصیت سے ہماری مودہ نسل تو روز نامہ الفضل کی بدولت بہت حس تک واقف ہے مگر ان کی نوعمری میں دینی معلومات اور ایمانی غیرت کا مجھے ان کی خود نوشت "سفر حیات" پڑھنے سے ہوا۔ یہ کتاب نہ صرف خود پڑھنے کے لائق ہے بلکہ دہلوی صاحب مرحوم کے بچپن کے واقعات بچوں کے سامنے بھی بیان کرنے چاہئیں۔ ذیل میں "سفر حیات" سے ماخوز چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

[طالب دعا حمید احمد چوہدری]

"1936 میں جب میٹرک کے امتحان میں شرکت کے لئے داخلہ کے فارم جانے لگے تو میں نے اس میں اپنا نام "مسعود احمد" کی بجائے "مسعود احمد احمدی" درج کیا۔ دسویں جماعت کے انچارج ٹیچر محترم محمود مظفر صاحب نے مجھ سے کہا تم اپنے نام کے ساتھ "احمدی" نہ لکھو تم پٹھان ہو اس لئے تمہیں اپنے نام کے ساتھ "احمدی" کی بجائے "خان" لکھنا چاہیئے۔ ذاتیں شناخت کا ذریعہ ہوتی ہیں تمہاری شناخت "خان" ہونے میں ہے نہ کہ " احمدی" ہونے میں۔ میں نے عرض کیا میرے نزدیک میرا احمدی ہونا ہی میری شناخت ہے آپ میرے نام کے ساتھ "احمدی" کا اضافہ برقرار رہنے دیں اس پر انہوں نے فرمایا کہ یہ سوچ لو کہ جو نام تم میٹرک کے داخلہ فارم میں لکھو گے سند پر بھی وہی نام لکھا جائے گا اور پھر ایف اے اور بی اے وغیرہ کے امتحانات میں بھی وہی نام چلے گا اور اس طرح نام میں "احمدی" کا اضافہ تمہارے نام کا مستقل جزو بن جائے گا اس سے تمہیں ملازمت کے حصول میں دقت پیش آسکتی ہے یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ تم احمدیوں کے خلاف مذہبی تعصب بہت پایا جاتا ہے۔ اگر کسی متعصب افسر کے سامنے تم پیش ہوئے تو وہ تمہیں کسی حال میں بھی ملازم نہیں ہونے دے گا میں نے عرض کیا آپ میرے بر سرِ

روزگار ہونے کی فکر نہ کریں۔ رازق خدا ہے اس نے جو رزق میرے لئے مقرر کر چھوڑا ہے وہ بہر حال مجھے مل کر رہے گا آپ مجھے داخلہ فارم میں ذاتی نام کے طور پر مسعود احمد احمدی ہی لکھنے دیں میرے نہایت واجب الاحترام استاد محترم محمود مظفر صاحب نے میری اس بات کو میری نادانی پر محمول کیا اور فرمایا کل اپنے والد صاحب کو ساتھ لے کر آئیں۔ میں ان سے بات کروں گا تو وہ تمہیں مسعود احمد احمدی کی بجائے مسعود احمد خاں لکھنے کی اجازت دے دیں گے۔ اگلے روز حضرت والد صاحب نے محترم محمود احمد مظفر صاحب کی بات سُن کر فرمایا۔ یہ تو صحیح ہے کہ ہم احمدی ہیں لیکن ہر احمدی کے لئے ہر گز ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنے نام کے ساتھ ''احمدی'' کا اضافہ کر کے اسے اپنے نام کا مستقل جزو بنائے۔ لیکن چونکہ آپ نے اس خدشہ کا اظہار کیا ہے کہ نام میں اس اضافہ سے ملازمت کے حصول میں دقت پیش آسکتی ہے اس لئے اب میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ آپ میرے بیٹے کا نام ''مسعود احمد احمدی'' ہی درج کریں۔ میرے نزدیک خدا تعالیٰ کو رزاق یقین کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ اب نام میں ''احمدی'' کا اضافہ ضرور کیا جائے۔ اس پر محترم محمود مظفر صاحب بہت حیران ہوئے اور فرمایا واقعی آپ لوگوں کا ایمان بصیرت پر مبنی ہے آپ ایمان کا تقاضہ بخوشی پورا کریں میں اس میں مزاحم ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ چنانچہ میرا نام ''مسعود احمد احمدی'' ہی درج کیا گیا اور پھر یہی نام ایف اے، بی اے اور جرنلزم کے پوسٹ گریجوایٹ کورس کی جملہ سندات پر درج ہوتا چلا گیا۔ اور اپنے گیارہ بھائیوں میں سے میرے لئے ایک وجۂ امتیاز بن گیا۔ خاص طور پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ بی اے پاس کرنے کے بعد مجھے سرکاری ملازمت حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی۔ میں نے سرکاری ملازمت ہر گز کسی سفارش کی بناء پر نہیں بلکہ خالصۃً اہلیت کی بناء پر حاصل کی۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

سکول کی فضا مذہبی تعصب سے پاک تھی البتہ عربی اور اردو کے استاد محترم مولوی عبدالخالق صاحب جو قادیان کے رہنے والے تھے اور غالباً مہر دین آتش باز کے رشتہ داروں میں سے تھے کلاس میں پڑھانے کے دوران احمدیت کی مخالفت کا کوئی نہ کوئی پہلو خود نکال لیا کرتے تھے اور اعتراض کرنے سے باز نہ آتے تھے میں اپنی بساط اور محدود علم کے مطابق ان کے ہر اعتراض کا جواب دیتا وہ مجھے ڈانٹ کر خاموش کرا دیتے لیکن دوسرے طلباء سے اتنا ضرور کہتے چھوٹی عمر میں اپنے عقائد اور مسائل کا جتنا علم اس قادیانی کو ہے اتنا علم اپنے عقائد اور مسلک کا تم میں سے کسی کو نہیں ہے تم سب اس معاملہ میں کورے ہو۔

میں نے اپنی سمجھ کے مطابق مولوی عبدالخالق صاحب کو تنگ کرنے کیلئے ایک طریق یہ نکالا کہ اردو کے امتحانی پرچہ میں جب یہ سوال درج ہوتا کہ مندرجہ ذیل الفاظ کو فقروں میں استعمال کر کے ان کے معنے واضح کرو تو میں جواب درج کرتے وقت ایسے فقرے بناتا جو احمدیت کے صداقت کے آئینہ دار ہوتے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ سوال میں یہ بھی درج تھا کہ ''ظہور'' کا لفظ

فقرے میں استعمال کرو۔ میں نے فقرہ یہ درج کیا۔۔۔ ''امام مہدی کا ظہور ہو گیا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ ان پر ایمان لائے''۔۔۔ مولوی صاحب جب نمبر لگانے کے بعد کلاس میں پرچے واپس کرنے لگے تو مجھے مخاطب کر کے کہا ''او قادیانی! اپنی حرکتوں سے باز آجا'' پھر پوری کلاس کو مخاطب کر کے فرمایا دیکھو اس نے ''ظہور'' کے لفظ کو کس طرح فقرے میں استعمال کیا ہے۔ فقرہ پڑھ کا سنایا اور کہا ''دیکھو اسے اپنے مسلک سے کس قدر لگاؤ ہے۔ اسے اس امر کی پرواہ نہیں کہ میں اس کے نمبر کاٹ لوں گا اور اپنی ان حرکتوں سے یہ فیل ہو جائے گا ایک تم ہو کہ تمہیں اپنے دین کی کچھ خبر نہیں اور نہ اس کی کچھ پرواہ ہے۔'' اس امر کی داد دینی پڑتی ہے کہ مولوی صاحب محترم نے میرے ایسے کسی فقرے کے نمبر نہیں کاٹے اور ہمیشہ پورے نمبر دیئے۔ ان کی طرف سے احمدیت کی مخالفت اپنی جگہ تھی اور مجھ پر بحیثیت شاگرد شفقت اپنی جگہ۔ ویسے کلاس روم میں اور کلاس روم سے باہر وہ تمام دوسرے طلباء کی طرح میرے ساتھ بھی ہمیشہ بہت شفقت سے پیش آتے تھے۔ ایک دفعہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں تعلیم حاصل کرتے رہے اور میٹرک بھی وہیں سے پاس کیا آپ کا اپنے اساتذہ کے بارے میں کیا خیال ہے کہ وہ کیسے تھے۔ فرمانے لگے آج تو نے بہت ہی ٹیڑھا سوال کیا ہے تُو مجھ سے اپنے بزرگوں کی تعریف کروانا چاہتا ہے۔ چالاکی اور ہوشیاری کے آئینہ دار تیرے اس سوال کا جواب یہ ہے کہ یوں تو اساتذہ سب ہی بہت لائق شریف النفس اور ہمدرد تھے لیکن مولوی شیر علی صاحب کا جو انگریزی پڑھاتے تھے مجھ سمیت سارے ہی طلباء بہت احترام کرتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں ایک روحانی انسان تھے، ہر وقت ذکر الٰہی میں مشغول رہتے۔ اول تو وہ سزا نہیں دیتے تھے اگر کسی طالب علم کو سزا دینی ہی پڑتی تو وہ مٹھی بند کر کے اسے بند اُنگلیوں کے رخ پیٹھ پر آہستہ سے مُکّہ مارتے اور ساتھ ہی دھیمی آواز میں کہتے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ ان کی اس روحانی ادا کا ہم پر عجیب و غریب اثر ہوتا اور ہم پوری کوشش کرتے کہ ہم مولوی صاحب کو کوئی شکایت کا موقع نہ دیں۔ مولوی عبدالخالق صاحب کے اس جواب سے میرے تمام غیر احمدی ہم جماعت بے حد متاثر ہوئے ۔ مولوی عبدالخالق صاحب کے علاوہ باقی اساتذہ احمدی طلباء کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کرتے تھے البتہ تعریف کے رنگ میں کوئی بات کہنی ہوتی تو ضرور کہہ دیتے اور بخل سے کام نہ لیتے۔

1934ء یا 1935ء کی بات ہے کہ دہلی کے اردو پارک میں مجلس احرار نے جلسہ منعقد کیا جس میں عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب نے بڑی دھواں دھار تقریر کی اور خوب دل کا غبار نکالا۔ سکول کے اساتذہ میں بخاری صاحب کی تقریر کا ذکر چلا ایک ماسٹر صاحب نے کہا کہ تقریر میں شاہ جی نے اس بات کو بڑی شد و مد کے ساتھ پیش کیا کہ مرزا صاحب کی کوئی پیشگوئی بھی پوری نہیں ہوئی اس کے باوجود مرزا صاحب ایک پیشگوئی کے بعد دوسری پیشگوئی کرتے چلے گئے۔ اس پر سکول کے معمر اور بزرگ استاد محترم محمد ہاشم

خان صاحب ایم اے نے جو موضع گڑیانی ضلع گوڑگاؤں کے رہنے والے تھے اور دسویں جماعت کو انگریزی پڑھاتے تھے کہا میں تو جلسہ میں نہیں گیا تھا اور میں نے شاہ جی کی تقریر نہیں سنی۔ اگر شاہ جی نے یہ کہا ہے تو ان کی یہ بات درست نہیں ہے۔ میں نے لیکھرام کی ہلاکت کے متعلق مرزا صاحب کی پیشگوئی کا گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب کی یہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی اور شاتم رسول لیکھرام کی ہلاکت اسلام کی صداقت کو آشکارا کرنے کا موجب بنی، میں احمدی نہیں ہوں لیکن لیکھرام کی پیشگوئی کی وجہ سے میں مرزا صاحب کا بڑا احترام کرتا ہوں۔ میں اس بات کا قائل ہوں کہ مرزا صاحب کے دل میں اسلام کا بڑا درد تھا۔ محترم محمد ہاشم خان صاحب کی اس بات کا ذکر دیگر اساتذہ نے احمدی طلباء سے کیا اور اسے سن کر ہم سب بہت خوش ہوئے۔

1936ء میں فرسٹ ڈویژن میں میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد میں نے 1940ء میں اینگلو عربک کالج اجمیری گیٹ سے بی اے کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ میٹرک کے امتحان میں عربی میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کی بناء پر میں جام نگر سکالرشپ کا مستحق قرار پایا تھا۔ اس انعام کی اُس زمانہ کے لحاظ سے خطیر رقم بقدر پچاس روپے جب میں نے اپنی بیمار والدہ کے ہاتھ پر رکھی تو وہ بے انتہا خوش ہوئیں اور مجھے بہت دعائیں دیں۔ اس بیماری سے وہ جانبر نہ ہو سکیں اور محض 37 سال کی عمر میں اس جہان فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما کر مولائے حقیقی سے جا ملیں۔ والدہ محترمہ کی وفات میرے لئے صدمہ جانکاہ سے کم نہ تھی لیکن اس نے میرے لئے مہمیز کا کام کیا اور میں پڑھائی کی طرف متوجہ ہو کر ان کی اس خواہش کو پورا کرنے پر تُل گیا کہ میں بی اے کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کر کے زندگی میں ترقی کروں۔ میں پڑھائی میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھا تھا۔ بی اے کے آخری سال تک مجھے ہر سال اچھے نمبروں میں پاس ہونے کی وجہ سے وظیفہ ملتا رہا جس سے کالج کی فیس ادا ہو جاتی۔ اوپر کے تعلیمی اخراجات میں ٹیوشنز پڑھا کر پورے کر لیتا تھا۔ اس طرح میری کالج کی تعلیم حضرت والد صاحب کے لئے کسی لحاظ سے بھی مالی بوجھ کا موجب نہ بنی۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک "

ماخواز "سفر حیات" مصنفہ حضرت مسعود احمد خان دہلوی مرحوم

پروفیسر مکرم چوہدری محمد شریف خالد صاحب کی یادیں

مکرم منیر احمد باجوہ صاحب ہیمبرگ جرمنی

اللہ تعالیٰ کا ہم پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے نہائت شفیق والدین عطا فرمائے جنہوں نے محض اُسی کے فضل سے امام وقت کو پہچان کر خود احمدیت قبول کی اور اس نور کو اس صدق اور تمنا کے ساتھ دل کی دھڑکنوں میں بسایا کہ نہ صرف وہ خود بلکہ اُنکی نسلیں بھی اس نور سے تاابد منور ہوتی چلی جائیں۔اسی چاہت کو پورا کرنے کیلئے لگ بھگ ساٹھ کی دہائی میں انہوں نے ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح کے قدموں میں ربوہ جیسی مقدس بستی میں لا آباد کیا۔طالبعلمی کا ابتدائی دور اور سکول کا زمانہ تھا۔دارالصدر غربی اور مسجد لطیف کا قُرب نصیب ہوا۔نماز کیلئے مسجد لطیف آنا جانا شروع ہوا احباب، بزرگوں سے شناسائی ہونے لگی تو ایک معزز و محترم نام چوہدری محمد شریف خالد صاحب کا زبان زد عام تھا۔اہل محلہ بڑی ہی تکریم کے ساتھ اُنکا نام لیا کرتے تھے۔اُسکی بیشمار وجوہات میں سے ایک یہ تھی کہ وہ چھوٹوں اور بڑوں میں اپنے اعلیٰ اخلاق اور ہمدردیء خلائق کے باعث بے پناہ مقبول تھے اور دوسرے وہ تعلیم الاسلام کالج جیسی مقدس درسگاہ میں انگلش کے پروفیسر تھے اور ساتھ ہی ساتھ قانون دان بھی تھے۔اس لحاظ سے نوجوان شاگرد طبقہ کے دل میں اُنکا بہت بڑا مقام تھا۔ہم چونکہ چھوٹے تھے اور اس بستی میں نووارد، اس لئے اُنکا نام اور مقام سن کر ہمیں مارے ادب کے کبھی جرأت ہی نہ ہوئی کہ اُن سے ہم کلام ہو سکیں۔ہم حدِّادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے دور فاصلے سے ہی اُنکا دیدار کرتے اور آگے بڑھ کر اُن کے سامنے آنے کی ہمت نہ کرتے کہ ایک روز ہمارے بڑے بھائی مکرم محمد سعید باجوہ صاحب سابق ہیڈ ماسٹر ہائی سکول جو اُن دنوں اُنکے شاگرد تھے ان کے ذریعہ اس مقدس وجود تک رسائی اور تعارف ہوا۔انکی بزرگانہ شفقت نے اس قدر اپنی طرف کھینچا کہ اس کے بعد قریباً ہر بار مسجد آتے ہی نگاہیں انہی کو ڈھونڈتیں تھیں۔اور یہ سلسلہ تادم جدائی ان کے ساتھ پروان چڑھتا رہا۔

بے حد شفیق اور بے حد پیار کرنے والے وجود تھے۔اُس روز سے آج تک کہ جب وہ اس دنیا میں نہیں رہے اُنکی محبتوں اور عنایات کی یادیں اُسی طرح زندہء تابندہ ہیں جیسے کل کی بات ہو۔اللہ تعالیٰ انہیں اپنے پیار کی جنتوں میں اپنے پیاروں کے ساتھ اعلیٰ مقام عطافرمائے۔آمین۔محلہ دار ہونے کے ناطے بھی ہم نے انکو دیکھا اور لمبا عرصہ انکی شفقت کے سایہ تلے رہے، مسجد لطیف کو از سر نو تعمیر کیا جارہا تھا آپنے بڑی دلچسپی اور جانفشانی سے اس کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا،اس کی چھت ڈالتے وقت اپنے نوجوان شاگرد خدام سے کہیں آگے بڑھ کر وقار عمل کیا،اینٹوں گارے کی کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے اس میں خود کو گرد آلود کئے رکھا۔ہم گواہ کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم نے اس بزرگ کو محبت کے سمندر کی طرح پایا۔

ہم نے اُن سے پڑھا، ہمارے بڑوں نے اُن سے پڑھا۔ہمارے چھوٹوں نے اُن سے پڑھا،کالج کے زمانہ میں وہ ہمیشہ اپنے کام میں باقاعدہ تھے۔ہزار مجبوریوں کے باوجود کبھی بے جا کالج سے ناغہ نہیں کیا۔بعد میں ہمارے ساتھ وکالت کے میدان میں بھی آپ کی یہی شان نمایاں رہی۔ان کی جسمانی اولاد اور انکے شاگرد دنیا کے تمام براعظموں میں پھیلے ہوئے ہیں۔اور یہ جہاں جہاں بھی ہیں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اُن میں سے ہر ایک اُنکے پیار بھرے سلوک کی وجہ سے اُن کو محبت سے یاد کرتا ہے۔آپ استادوں کے استاد بلکہ جگ استاد تھے۔

بنیں گلزار جن کے عزم سے دنیا کے ویرانے زمانے کو میسر ہیں وہ دل کتنے؛ جگر کتنے

حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ہمیشہ صف اول میں نظر آتے۔آپ نہائت درجہ دعا گو اور عبادت گزار تھے خلافت احمدیہ حقہ کے دلی مطیع وفرمانبردار تھے۔اور ہمیں بھی خلیفہ وقت کی کامل اطاعت کی تلقین فرماتے کہ تمام برکتیں اسی کی اطاعت سے وابستہ ہیں۔جماعت کی صد سالہ جوبلی کے موقع پر صدر انجمن کیطرف سے آپکو بھی ایک تقریب میں مدعو کیا گیا۔اس دعوت

نامے کو اپنے لئے ایک اعزاز سمجھتے ہوئے نہائت عجز اور شکر کے ساتھ تحدیث نعمت کے طور پر اس کا متعدد بار ذکر فرماتے۔ مخلوق خدا کی ہمدردی کا بے پناہ جذبہ اپنے اندر رکھتے تھے۔ کسی غریب کو دُکھ میں دیکھ کر خود دُکھی ہو جاتے اور اس کی مدد کرنے کیلئے ان کا دل اپنے قابو میں نہ رہتا اور پھر سخاوت کے ہاتھ لمبے ہو جاتے تھے۔ان کی زندگی ایسے بیشمار واقعات سے بھری ہوئی تھی۔ایک دفعہ صبح کے وقت کچہری جانے کیلئے گھر سے نکلے تو ایک ریہڑی والے مزدور کو دیکھا کہ اس کی ریہڑی کا ٹائر پھٹ گیا ہے اور وہ غربت کی وجہ سے پریشان حال کھڑا ہے کہ اب نہ ٹائر، نہ پیسے، نہ مزدوری، کیا کروں؟ آپنے اسے اس حالت میں دیکھا تو آپنے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا جتنے پیسے نکلے سارے کے سارے اسے تھما دیے اور کہا کہ جاؤ نیا ٹائر خرید لو اور خود خالی ہاتھ کچہری چلے آئے۔اللہ تعالیٰ کو آپکی یہ ادا اس قدر پسند آئی کہ آپکے کچہری پہنچنے سے پہلے ہی آپکا ایک مؤکل آپکا انتظار کر رہا تھا اور اس نے اپنے کیس کی خاطر آپکو اتنی فیس دی جو ان پیسوں سے کہیں زیادہ تھی جو آپنے اس ریہڑی والے کو دیے۔ اللہ تعالیٰ کے اس محبت بھرے سلوک کا آپ نہائت انکسار اور شکر کے ساتھ اس رنگ میں ذکر کرتے کہ میری حیثیت ہی کیا ہے اور میرے خالق مہربان کا مجھ سے سلوک، کہ مجھ جیسے کو بے حساب دیے جا رہا ہے!!!

ایک دفعہ راستہ میں ایک غریب بوڑھے کو دیکھا جو ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بے یار و مددگار پڑا ہوا تھا۔اس کو پوچھے بغیر بے ساختہ کچھ روپے جیب سے نکالے اور اس کی مدد کی خاطر اس کی طرف بڑھا دئے لیکن اس بوڑھے نے یہ کہہ کر لینے سے انکار کر دیا کہ، بابا ہم عیسائی لوگ ہیں ہم لوگوں سے بھیک نہیں مانگا کرتے۔آپکی طبیعت پر اس کا بہت اثر تھا اکثر فرماتے کہ کاش، مسلمان بھی یہ سبق سیکھ لیں۔اس واقعہ سے اندازہ کریں کہ آپ غریبوں کیلئے کتنا نرم دل رکھتے تھے؟ نحن انصار اللہ کی تفسیر آپکے عمل سے جھلکتی تھی۔ غریب پروری کا یہی سلوک آپکا اپنے مزارعوں کے ساتھ ہوتا تھا جن سے آپ زمیندارہ کرواتے تھے۔ایک دفعہ گرمیوں کی سخت دھوپ میں اپنے زمیندارہ سے آرہے تھے سائیکل کی ٹیوب گرمی کی شدت سے پھٹ گئی تھی۔پیدل چلے آرہے تھے چہرے پر گرمی، تھکان اور گرد و غبار کے آثار نمایاں تھے۔ مگر دل خدا تعالیٰ کی محبت میں پُر سکون اور مطمئن۔یہ دیکھ کر میں نے عرض کیا کہ چوہدری صاحب، آپکو اس زمیندارہ میں کوئی بچت بھی ہوتی ہے کیا؟ کمال طمانیت اور توکل کے ساتھ ایک دلربا قہقہہ بلند کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ مجھے یہ پھیرے (چکر) ہی بچتے ہیں جو میں مار آتا ہوں۔ زمیندارہ بچت کیلئے نہیں بلکہ ان غریب مزارعوں کی روزی کا ایک ذریعہ ہے اس بہانے سے اُن کے دن بھی بسر ہو رہے ہیں اور میرے بھی۔سچ تو یہ ہے کہ آپ زمیندارہ کا یہ اضافی کاروبار بھی محض ان غریب مزارعوں کے روزگار کا وسیلہ جان کر کرتے تھے۔ طبیعت میں لالچ، نمود و نمائش اور خوشامد نام کو بھی نہیں تھی۔مالی لین دین میں نہائت درجہ دیانت دار، صاف اور کھرے، قول کے سچے، اور کردار کے پاکیزہ اور

سُچے تھے۔ کسر نفسی اور خودداری اُنکا خاصا تھا۔ کچہری میں ایک دن مجسٹریٹ ہواخوری کیلئے صحن میں نکلااور آپکو کہنے لگا کہ چوہدری صاحب باقی وکلاءاندر (Retiring Room)میں آتے ہیں آپ کبھی نہیں آئے آپ بھی اندر آیا کریں۔ آپ بے دھڑک کہنے لگے کہ ایسے اندر سے میں باہر ہی اچھا ہوں کیونکہ جو کچھ اندر ہوتا ہے۔ میں وہ باہر بیٹھ کر ہی جان جاتا ہوں۔ ہر ایک دوست، ساتھی کے بڑے قدردان تھے، برادرم مکرم چوہدری کولمبس خان صاحب ایڈووکیٹ سے بھی عمر بھر بے پناہ محبت ؛ہمدردی اور شفقت کا ایک ایسا یادگار پختہ تعلق جوڑا جسے اُن کی ابدی جدائی کے بعد آج تک مکرم کولمبس خان صاحب اپنے سینے سے لگائے اُن کی بلندیءدرجات کیلئے رب رحیم کے حضور دعا گو رہتے ہیں۔ برادرم مکرم کولمبس خان صاحب اور خاکسار جب جرمنی آنے لگے تو آپنے جن درد بھری صدق دل سے نکلی ہوئی دعاؤں سے ہمیں رخصت فرمایا انکی قبولیت کو ہم قدم قدم پر محسوس کرتے ہیں۔ حسن اتفاق ہے کہ سالوں گزر جانے کے بعد دارالقضاء جرمنی کے ممبران کے ایک اجلاس میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب سے تعارف ہوا، فرمانے لگے کہ وہ مکرم چوہدری محمد شریف خالد صاحب موصوف کے داماد ہیں اور ان کا نام مکرم محمد سلیم ہے۔ میں نے مکرم چوہدری صاحب موصوف کی کرم فرمائیوں کا ذکر کیا اور ان دعاؤں کے الفاظ کو بھی دہرایا جن کے ساتھ چوہدری صاحب نے ہمیں باہر آنے کیلئے وداع کیا تھا۔ اس پر مکرم محمد سلیم صاحب (مرحوم) نے بے ساختہ ایک قہقہہ بلند کیا۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمانے لگے کہ مکرم چوہدری صاحب نے مجھے بھی بعینہ انہی دعائیہ لفظوں کے ساتھ رخصت کیا تھا۔ میں دیر تک سوچتا رہا کہ اُس مہربان بزرگ کے دل میں ہم جیسے بیگانوں کیلئے بھی محبت اور دعاؤں کے وہی یکساں جذبات تھے جو وہ اپنے خاص عزیزوں کیلئے رکھتا تھا۔ ایک عرصہ بعد ان کی زندگی میں مجھے ربوہ جانے کا اتفاق ہوا تو فرمانے لگے بتاؤ اللہ میاں نے میری اُس دعا کو کیسے قبول فرمایا جو میں نے تمہیں رخصت کرتے وقت دی تھی۔!!! اُن دنوں آپنے مصلح الدین راجیکی صاحب کا منظوم کلام 'کوس راحیل، کے نام سے کتابی شکل میں چھپوایا ہوا تھا؛ فرمانے لگے کہ اس کی ایک کاپی آپکے لئے اور ایک مکرم کولمبس خان صاحب کیلئے رکھی ہوئی ہے وہ ضرور لیتے جانا۔ میں نے انکی ادائیگی کیلئے ہزار جتن کئے لیکن انہوں نے میری ایک نہ سنی اور یہ کتابیں مجھے عنائت کرتے ہوئے فرمایا کہ بھول جاؤ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہمارے سروں پر ان کی شفقت کا ہاتھ سرحدوں تک ہی محدود نہیں تھا بلکہ یہاں بھی انکے خطوط انکے محبت بھرے سندیسے ہمارے ساتھ رہے۔ میرے والد مکرم چوہدری عبدالعزیز باجوہ صاحب کے ساتھ بھی آپکا محبت بھرا مثالی تعلق تھا۔ اپنے ایک خط میں خاکسار کی دلداری کیلئے لکھا کہ مسجد میں فجر کی نماز پر آپکے والد صاحب میرے لئے موتیے کے پھول لیکر آتے ہیں۔ نماز کے بعد ہم دونوں سیر کو جاتے ہیں تو خوشبو اُن پھولوں کی ہوتی ہے اور تذکرہ آپکا۔!!! اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے اب یہ دونوں بابرکت وجود ہم سے رخصت ہو چکے ہیں اور بہشتی مقبرہ میں

مدفون ہیں۔ مگر ان کی آوازیں ان لفظوں میں ڈھل کر ہمیشہ کانوں میں گونجتی رہتی ہیں کہ ہم سرافراز ہوئے رخصت ہے آپ سے بھی امید بہت یہ یاد رہے کس باپ کے بیٹے ہیں کس ماں کے جائے ہیں۔ بہشتی مقبرہ دعا کیلئے جب بھی جاتا ہوں تو مکرم چوہدری صاحب کی وہ بات یاد آجاتی ہے جب ایک دفعہ کچہری میں بیٹھے فرمانے لگے کہ منیر! اصل چیز تو عاقبت ہے دنیا تو سب دھوکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر کرے۔ اپنے مخصوص انداز میں فرمانے لگے کہ اگر اللہ میاں مجھے بتادے کہ اب تو میری طرف آجاتو میں کامل طور پر اس کی رضا پر راضی رہتے ہوئے از خود پیدل ہی بہشتی مقبرہ کی طرف چل پڑوں۔

رحمت باری سے ہم امید رکھتے ہیں کہ رب عظیم کے یہی وہ عاجز اور بے نفس بندے ہیں جن کیلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بڑے پیار کے ساتھ یہ خوشخبری دی ہے کہ 249249اے نفس مطمئنہ! اپنے رب کی طرف لوٹ جا، راضی رہتے ہوئے اور رضا پاتے ہوئے۔ پس میرے بندوں میں داخل ہو جا۔ اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ (الفجر ۲۸۔۲۹۔۳۰۔۳۱)

اے خدا! تو ان کے ساتھ ایسا ہی سلوک فرما۔ آمین۔

تعلیم الاسلام کالج سے وابستگی کے تقاضے

مکرم پروفیسر ڈاکٹر محمد شریف خان صاحب

قادیان کی مبارک بستی جس کے مقدر میں ازل سے اسلام کی نشئتِ ثانیہ کا محور بننا تھا، جیسے جیسے حضرت مسیحِ موعود علیہ السلام کے پیغام کی روشنی ہندوستان کے طول و عرض مین پھیلی شمع حق کے پروانے دیوانہ وار اس بستی میں جہاں ہر طور زندگی کی آسان سہا نیوں کا فقدان تھا، آحاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام کے ارشاد "میں ان مسلمانوں کو غلطی پر جانتا ہوں جو علومِ جدیدہ کے مخالف ہیں۔ وہ دراصل اپنی غلطی اور کمزوری کو چھپانے کے لیئے ایسا کرتے ہیں۔ ان کے ذہن میں یہ بات سمائی ہوئی ہے کہ علومِ جدیدہ کی تحقیقات اسلام سے بد ظن کر دیتی ہے اور وہ یہ قرار دیئے بیٹھے ہیں کہ گویا عقل اور سائنس اسلام سے بالکل متزاد چیزیں ہیں ۔کیونکہ خود فلسفہ کی کمزوریوں کو ظاہر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اس لیئے اپنی اس کمزوری کو چھپانے کے لیئے یہ بات تراشتے ہیں کہ علومِ جدیدہ کا پڑھنا ہی جائز نہیں۔ انکی روح فلسفہ سے کانپتی ہے اور نئی تحقیقات کے سامنے سجدہ کرتی ہے"۔ (ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۴) پر لبیک کہتے ہوئے ہر احمدی گھرانہ اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام کرنے میں مستعد تھا۔

1889 کے دوران قادیان میں بچوں کے لیئے مہیا دونوں پرائمری سکولوں (آریہ اور گورنمنٹ) میں اساتذہ اور انتظامیہ متعصب آریہ سماجیوں پر مشتمل تھی، جن کا رویہ ہمیشہ مسلمان طلباء کے ساتھ معاندانہ تھا، نت نئے اعتراضات کر کے مسیحِ پاک اور دوسرے اکابرینِ اسلام کے بارے میں زبانِ طعن دراز کر کے معصوم مسلمان بچوں کی دلازاری کا باعث بنتے۔ حضور علیہ اسلام نے دعاؤں اور احباب سے مشورہ کے بعد احمدی بچوں کے لیئے "اسلامی روشنی ملک میں پھیلانے اور طوفانِ ضلالت میں اسلامی ذرّیت کو غیر مذاہب کے وساوس سے بچانے کے لیئے ایک مدرسے کے قیام کے انتظام کے لیئے "انجمن تعلیم الاسلام قادیان" زیرِ صدارت حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ مقرر فرمائی۔ 3 جنوری 1889 کو مدرسہ تعلیم الاسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ جو ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے 1910 میں ہائی اسکول کے درجے پر پہنچا۔

طلباء سے کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی، جماعت کا ابتدائی دور تھا، چندے وغیرہ کا باقائدہ نظام قائم نہیں ہوا تھا۔ حضرت مسیحِ موعودؑ

اسلام کی اشاعت اور ترویج کی طرف متوجہ تھے۔اُس وقت کے چیدہ چیدہ اخراجات میں: ا۔کتب کی چھپائی اور اشاعت، ۲۔لنگر خانہ، ۳۔ریویو آف ریلجن اردو، انگریزی، ۴۔مخالفین کے آئے دن دائر کیئے مقدمات، کی پیروی کے لیئے حضور کا بار بار قادیان سے باہر تشریف لے جانا، ۵۔جماعتی تعمیرات، ۶۔ملک کے مختلف علاقوں میں تبلیغ، ۷۔اشتہارات اور اخبارات کی اشاعت شامل تھے۔ہر نئی ضرورت کے وقت جماعت میں چندہ کی اپیل کر دی جاتی، مخلصین منی آرڈروں اور دوسرے ذرائے سے لبیک کہتے ہوئے حسبِ توفیق پیش کر دیتے اس طرح خدائی برکت سے یہ تمام مالی ضرورتیں بخوبی پوری ہو رہی تھیں۔سکول کے قیام سے اخراجات میں معتدبہ اضافہ ناگزیر تھا۔چنانچہ حضورؑ نے 16 اکتوبر 1903 کو ایک اشتہار بعنوان "ایک ضروری امر اپنی جماعت کی توجہ کے لیئے" تحریر فرمایا۔جس میں مدرسہ کے سلسلے میں پیش آمدہ مشکلات کے بارے میں درجِ ذیل الفاظ میں ذکر فرمایا۔

"ان دنوں میں ہمارا یہ مدرسہ بڑی مشکلات میں پڑا ہوا ہے، اور باوجودیکہ محبی عزیزی اخویم نواب محمد علیخان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ اپنے پاس سے اسّی روپیہ ماہوار اس مدرسہ کی مدد کرتے ہیں مگر پھر بھی استادوں کی تنخواہیں ماہ بماہ ادا نہیں ہو سکتیں۔صدہا روپیہ قرضہ سر پر رہتا ہے۔علاوہ اسکے مدرسہ کے متعلق کئی عمارتیں ضروری ہیں جو ابھی تیار نہیں ہو سکیں۔۔۔۔آخر یہ تدبیر میرے خیال میں آئی کہ میں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لیئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں۔تو چاہیئے کہ ہر ایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لیئے وہ ہرگز تخلف نہ کرے۔۔۔۔میری دانست میں اگر یہ مدرسہ قادیان کا قائم رہ جائے تو بڑی برکات کا موجب ہوگا اور اس کے ذریعہ سے ایک فوج نئے تعلیمیافتوں کی ہماری طرف آسکتی ہے"۔

ریویو آف ریلجن اردو صفحہ 464۔465 نومبر، دسمبر (1903)

حضور علیہ سلام کا قائم فرمودہ مدرسہ تعلیم الاسلام ترقی کی منازل طے کرتا ہوا، تعلیم الاسلام کالج کی صورت میں قادیان اور ربوہ میں صدی سے زائد علم و عرفان کی روشنی شش جہات میں پھیلاتا ہوا پاکستان کے حکومتی حاسدوں اور تخریب کاروں کا شکار ہوا۔یہ علم کی شمع اللہ تعالیٰ کے فضل سے مزید تاب و توانائی سے ابھی نظارتِ تعلیم صدر انجمن احمدیہ ربوہ کے قائم نئی صاف، کشادہ عمارات اور عصرِ حاظر کے تقاضوں کی ساری سہولتوں سے مزین مڈل وہائی سکولز اور کالجز میں فروزاں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب جبکہ ہم تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے مستفید ہونے والے طلباء جرمنی، برطانیہ، امریکہ اور کینیڈا میں اپنی مادرِ علمی کے نام سے موسوم مجالس قائم کر کے اُس سے حاصل کیئے فیوض کا ذکر کر رہے ہیں، حضرت خلیفہ المسیح الخامس ایدہ اللہ

تعالیٰ نے جرمنی کی مجلس کو خطاب کے دوران ہمیں ہمارا فرض یاد دلاتے ہوئے ربوہ میں زیرِ تعلیم بچوں کی مدد کے لیئے فنڈز مہیا کرنے کا ارشاد فرمایا ہے

(الفضل ربوہ 13 اکتوبر.(2011)

ربوہ کیا پاکستان بھر کے تعلیمی اداروں میں زیر تعلیم احمدی طلباء پر طعن و تشنیع کے دلخراش واقعات الفضل انٹرنیشنل لندن میں مسلسل چھپنے والی رپورٹس سے ظاہر ہیں اور یہ جماعت مخالف عناصر قادیان کے آریہ سماجیوں سے مخالفت میں کسی طور بھی پیچھے نہیں۔ ہم نے اُسوقت بھی مسیحِ دوران کے فرمان کی تعمیل میں فنڈز مہیا کیئے تھے، اب بھی ہمارا فرض ہے، ہم حضور کے ارشاد پر لبیک کہتے ہوئے، نئے قائم ہونے والوں اِداروں کی ضروریات پوری کریں، اور وہاں پڑھنے والے بچوں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ حضرت مسیحِ دوران کے ارشادِ مبارک " میں اس وقت اپنی جماعت کے مخلصوں کو بڑے زور کے ساتھ اس بات کی طرف توجہ دلاؤں کہ وہ اگر اس بات پر قادر ہوں کہ پوری توجہ سے اس مدرسہ کے لیئے بھی کوئی ماہانہ چندہ مقرر کریں۔ تو چاہئے کہ ہر ایک ان میں سے ایک مستحکم عہد کے ساتھ کچھ نہ کچھ مقرر کرے جس کے لیئے وہ ہر گز تخلف نہ کرے۔۔ " کے مطابق اپنے اپنے ملک کی مجلس تعلیم السلام کالج کے صدر سے رابطہ قائم کر کے، حسبِ توفیق سالانہ یا ماہانہ چندے کا وعدہ ریکارڈ کرائیں، اور باقائدہ ادائیگی کا اہتمام فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے عہدوں پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام خاکسار

محمد شریف خان

صدر مجلس تعلیم الاسلام کالج، امریکہ

یادوں کے دریچے سے

مکرم محمد اسحاق اطہر صاحب جرمنی

اس مصروف معاشرے میں جب بھی کبھی فرصت کی چند گھڑیاں میسر آتی ہیں. تو ذہن ماضی کی یادوں میں کھو جاتا ہے۔ماضی کے دھندلکوں سے جو واقعہ میں نکال کر تحریر کرنے لگا ہوں وہ بظاہر سادہ لیکن میرے لئے نہایت اہم اور انمٹ ہے۔ غالباً 1971 کا ذکر ہے. ٹی آئی کالج کے فرسٹ ایئر کے سٹوڈنٹ تھے. اور ہوسٹل میں رہائش رکھتے تھے۔ فضلِ عمر ہوسٹل میں ڈائننگ میس کے بائیں طرف کمرہ نمبر 35 میں ہماری رہائش تھی۔ میرے ساتھ دو اور لڑکے شفقت خان اور سلیم خان جو آپس میں کزن تھے اور بالا کوٹ کے رہنے والے تھے اسی کمرے میں تھے۔ شفقت خان تو میرے ساتھ فرسٹ ایئر میں تھے جبکہ ان کا کزن سلیم خان تھرڈ ائر میں تھے اور کچھ عیاش طبع قسم کے تھے. ہمہ وقت کرایہ کی سائکل پاس رکھتے تھے ۔ ایک دن ایوانِ محمود میں حضور کی دورہ افریقہ کی نمائش کا اہتمام تھا ، شفقت خان اور میں نے شام کو نمائش دیکھنے کا پروگرام بنایا۔نکلتے وقت موسم کچھ خراب ہوا لہٰذا شفقت خان نے سلیم خان سے سائکل مانگ لی کیونکہ سلیم اس وقت سٹڈی میں مصروف تھے۔ ہم دونوں کرایہ کی اس سائکل پر نمائش دیکھنے ایوان محمود گئے اور نمائش دیکھنے کے بعد جب ہم باہر آئے تو سائیکل سٹینڈ سے ہمارا سائیکل غائب تھا. ہمارے تو طوطے اڑ گئے۔ اندھیرا ہو گیا تھا اور تیز گرد و غبار والی آندھی بھی چل پڑی تھی ،پریشانی کے عالم میں دونوں اِدھر اُدھر سائکل کی تلاش میں مگن تھے کہ اچانک بجلی چلی گئی۔ کچھ دیر بعد اندھیرے میں شفقت کی آواز سنائی دی،اسحاق جلدی آؤ بیٹھو میرے پیچھے کیریئر پر کود پڑو۔ میں خوش ہو گیا پوچھا شفقت مل گئی سائیکل. وہ کہنے لگے بیٹھو یار جلدی سے سائیکل پر۔ ہمارے ہوسٹل پہنچنے تک ابھی بجلی نہیں آئی تھی. سلیم موم بتی ٹیبل پر جلا کر بدستور سٹڈی میں منہمک تھے. کمرے میں پہنچ کر ہم نے سلیم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے پوچھا سائیکل کہاں کھڑی کریں ، اس نے بغیر پیچھے دیکھے کہا دروازے کے پاس دیوار کے ساتھ کھڑی کر دو ۔ اگلے دن سلیم خان بڑی ٹھاٹ کے ساتھ اسی سائکل کے

ساتھ گول بازار سے گزر رہے تھے کہ کچھ لوگوں نے اس کو روک کے کہا ، بھئ یہ سا ئیکل کہاں لے کر جارہے ہو یہ تو ہماری سا ئکل ہے۔ سلیم نے انہیں کہا کہ یہ میری کرایہ کی سا ئیکل ہے ۔گول بازار میں ہی سا ئیکلوں کی دکان پر گئے جہاں سے سائیکل کرایہ پر لی تھی ، دکاندار نے جب سائیکل دیکھی تو کہا کہ یہ تو وہ سائیکل ہے ہی نہیں جو تم نے یہاں سے کرایہ پر لی تھی ۔سلیم بیچارے نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ یہ سائیکل کیسے تبدیل ہو گئی۔ سائیکل اصلی مالکان کو واپس کر دی گئ اور سلیم کو اس گمشدہ سائیکل کی قیمت ماہوار قسطوں میں ادا کرنی پڑی۔ میں جب بھی سلیم کو پریشان دیکھتا مجھے سخت تکلیف ہوتی تھی لیکن شفقت خان نے سختی سے مجھے یہ راز افشاں کرنے سے روک رکھا تھا۔ مجھے نہیں معلوم کہ بعد میں شفقت نے اپنے کزن سلیم خان کو حقیقت احوال بتائ ہو گی یا نہیں، لیکن میں آج چالیس سال کے بعد یہ راز افشاں کر رہا ہوں۔ سلیم خان مجھے معاف فرمائیں جو میں آپکو پہلے نہ بتا پایا۔

محمد اسحاق اطہر جرمنی

بسم الله الرحمن الرحيم

In the name of Allah, the Gracious, the Merciful

Im Namen Allahs, des Gnädigen, des Barmherzigen.

TALIM - UL - ISLAM COLLEGE RABWAH

Quarterly Magazine of

T.I. College Old Students Association Germany

English and German Section

ALMANAR

October 2012

Director: Prof. Hamid Ahmad Chaudhry

Chief Editor: Choudhry Anis Ahmad

Associate Editor: Chaudhry Naseer Ahmad

Design: Muhammad Zaheer Ahmad (Software Engineer)

Table of Contents

Nr.	Artikle	Page
1	Poem Naeem Usman Memon	1
2	Mizra Mahmood Ahmad	3

A sacred memory

Neem Osman Memon, who was for two years Editor in Chief of Almana, wrote the following poem on the sad demise of Hazrat Musleh Maood , razi Allah anho,

Though days have sunk an' years drowned

The grief of ours on his loss has yet no bound

A melancholy does wail since the light did fade

Since the love of His to His laps the Lord bade

To us He graced a human though yet a bliss

The heart yet does glow in praise of his

Loved as Bashir our hearts he enshrined

And Love Divine on our souls he enjoined.

Like him in history but a few were graced,

Mahmood he was the divinely praised,

True to his name, the tidings divine he gave

From the destined doom, the mankind he tried to save.

Meek at heart and devoted to duty

For us he dug the springs of beauty

To mankind he pleaded for evil to shun

Our lives he burdened for generations to come.

A lion of Islam – a fighter of Lord,

For crusades holy never slack but always abroad,

Kudos petit none but the Lords love he crave,

For his battles, he fought the world, none so brave.

His victories do shine an' yet linger bright,

The banner of Islam he raised to zephyrical sight,

His memory remains fresh in mind an' soul

He defeated the Satan an' Satan's play foul.

But he left us then to join the One,

That loved him more, second to none,

Unlike scores that come an' scores that go,

Blessings of his for times immemorial will flow.

He left us sad, our hearts heavy, our spirits low,

His love in our hearts does live an' yet will grow,

A mortal he was, he was to go

To Thine Judgement O Lord, our souls we bow.

Mirza Mahmood Ahmed

„Ich schlage Brücken, keine Türen – Brücken verbinden während Türen trennen“.

Eines der Lebensprinzipien von Mirza Mahmood Ahmed Sb Marhoom, unserem geliebten Vater, der im Juni 2010 nach langwieriger Krankheit von uns gegangen ist.
Innalillahe-wa-inna-ilaihi-rajeoon.

Nach seinem Ableben ist uns erst bewusst geworden, wie viele dieser Prinzipien unser Vater gelebt hat ohne sie uns jemals explizit offenbart zu haben. Und das oben Zitierte wurde uns ebenfalls nach seinem Ableben von einem seiner Freunde erzaehl. Unser Vater war vielmehr ein Mann der Taten als ein Mann der schönen Worte. Es gab oft Momente in unserem Leben wo er handelte ohne sich zu erklären. Für uns waren diese Taten lange Zeit unverständlich, doch erst aus Angst vor seinem zornigen Gemüt und später schier aus Respekt vor seiner Weitsicht haben wir sie nicht hinterfragt. Und letztendlich als seine Taten ihre Früchte trugen, erklärten sie sich selbst und beseitigten alle unsere Zweifel und Missverständnisse. In unserer späten Jugend war unser Verhältnis soweit gestärkt, dass er uns das Gefühl gab man begegne sich nun auf Augenhöhe. Wir verbrachten lange Abende am Esstisch in Disputen über Gott und die Welt. Er nahm sich ausreichend Zeit um sich unsere Meinungen anzuhören oder fragte uns selbst danach um uns am Ende zu bestätigen oder zurechtzuweisen. Politische Ereignisse, theologische Fragen, Strategien um Tableegh zu machen oder einfach nur den Umgang mit Menschen erklärte er uns auf einer verständlichen, strukturierten Art und Weise. Wir registrierten seine Tableegherfolge und seine Reisen nach London, wenn Konvertiten das Bait bei Hazur-e-Aqdas ablegen wollten. Diese Ereignisse inspirierten uns dermaßen dass einer von uns Brüdern sich im Alter von 14 Jahren es zum Ziel machte in den nächsten zwei Jahren auch Jemanden zu konvertieren. Leider war dieses Vorhaben erfolglos, aber nicht wertlos. Wir lernten welches Maß an Arbeit, Disziplin, Selbstbeherrschung, Geduld und Demut hinter den Aktivitäten unseres Vaters steckten.

„Wer sich vor Gott beugt, kann vor Menschen aufrecht stehen“

In diesem Sinn sah ich meinen Vater immer und immer wieder handeln. Mit erhobenem Haupt lebte er sein Leben und trug jede Konsequenz seiner Entscheidungen mit der festen Überzeugung, dass er sich am Ende nur vor Gott zu verantworten hat. Seine Demut beschränkte sich auf Gott und dem Gottesfürchtigen. Er hielt stets mit großem Selbstbewusstsein an seinen Ansichten fest - es sei denn sie erwiesen sich als fehlerhaft. Doch seine Ansichten waren nicht das Resultat einer raschen Meinungsbildung. Sie waren vielmehr Produkt eines langwierigen, profunden Denkprozesses die mit viel Lebenserfahrung in ihm reiften. Dementsprechend war es auch schwierig, Fehler in seinem Gedankengut zu finden. Und falls jemand der Überzeugung war seine Meinung sei tatsächlich fehlerhaft, dann musste er sich einem Disput aussetzen dem so manch' einer nicht gewachsen war.

„Wie der Vater, so der Sohn"

Ein wesentlicher Grundstein in unserer Erziehung war das Vertrauen, dass er in uns hatte. Wir waren erstaunt darüber wie gut er über unser gewissenhaftes Handeln Kenntnis hatte. Er wusste stets welchem Umfeld wir ausgesetzt waren oder uns nach eigener Entscheidung aussetzten und welche Gefahren das in sich barg. Er zweifelte selten an unseren Entscheidungen und unseren Taten. Er selbst hatte dermaßen strikte, eingebrannte moralische Prinzipien, dass wir das Gefühl hatten und immer noch haben, dass sie über sein Wesen hinaus auch auf uns übertragen wurden. Er hatte Kenntnis über dieses übertragene, moralische Bewusstsein in uns und er hatte Vertrauen auf Gott durch seine Gebete. Dies gab ihm seine Zuversicht. Und diese Zuversicht wiederum legte den Handlungsrahmen für unsere Taten fest und speiste uns mit der Motivation die offenen und versteckten Erwartungen unserer Eltern weitgehend zu erfüllen.

„O mein Herr, mehre mich an Wissen" [Sura 20 Vers 115]

Bildung hatte stets höchste Priorität für unseren Vater. So weit wir uns entsinnen können hat unser Vater uns genauso oft zum Beten aufgerufen wie zum Lernen. Er verlangte uns Ehrgeiz ab und dass wir unsere Freizeit hauptsächlich dafür nutzen sollten, um uns weiterzubilden. Im Gegenzug sicherte er uns zu neben den obligatorischen Pflichten eines Vaters auch für unseren maßvollen Luxus aufzukommen. Selbst während seiner schweren Erkrankung ließ er nicht davon ab unsere Aufmerksamkeit immer wieder aufs Studium zu lenken da er befürchtete, dass eben

diese von uns Kindern vielleicht als Last wahrgenommen werden würde. Seine Krankheit stellte durchaus einen Einschnitt in unser aller Leben da. Aber der Größte war es doch in seinem Eigenen. Mit diesem Wissen im Hinterkopf war uns jeder Einschnitt, jeder Zeitaufwand und jedes noch so kleine Unbehagen geheuer um Behagen für unseren Vater zu schaffen.

„Freundschaft fließt aus vielen Quellen, am reinsten aber aus dem Respekt“
[Daniel Defoe]

Während seiner Krankheit und nach seinem Ableben lernten wir das wahre Ausmaß seiner Kontaktfreudigkeit kennen. Mit Anzusehen wie seine Kontakte zu Menschen aus aller Welt, die er über Jahrzehnte mit Sorgfalt pflegte und intakt hielt, über Ihn sprachen war überwältigend. Schulkameraden aus der Grundschule, dem College und der Universität oder gar seine College Professoren und Lehrer sprachen lobend über ihn. Auf die Frage ob Chaudhry Muhammad Ali Sb aus Rabwah sich an Mirza Mahmood Sb erinnere, antwortete dieser bedrückt über die Krankheit unseres Vaters wissend:

„Mahmood? Mahmood ist mein Herz“

Seine engsten Freunde und Arbeitskollegen schätzten seine Loyalität und Ehrlichkeit sehr. Er pflegte keine oberflächlichen Bekanntschaften sondern kultivierte tiefgehende Freundschaften und nicht gerade wenige. Einer seiner Freunde offenbarte uns:

„Was weißt du schon Kind? Mahmood hatte ein Meer an Freunden“

Zu seinem wichtigsten und lehrreichsten Kontakt zählt der zum Khilafat. Regelmäßig schrieb unser Vater Briefe an Hazur-e-Aqdas (atba) von einfacher bis hin zu komplexer Natur. Er zögerte nicht Hazur (atba) um Hilfe, Anweisung und Rechtleitung zu fragen und ebenso wenig zögerte er Ihm, Seiner Heiligkeit, sein Wohlbefinden zu schildern. Und dem vermeintlichen Lob, dass Mirza Sb ja ein sehr inniges Verhältnis zu Hazur-e-Aqdas hat, entgegnete dieser immer stets mit den Worten: *„Es ist einzig und allein Hazurs Barmherzigkeit“*

London 1. Begegnung mit Hazur (atba) nach langem Krankenhausaufenthalt (2008)

Viele Menschen tragen ihre Namen, weil ihre Namensgeber darin einen Sinn, einen Zweck oder ein passendes Attribut für das Kind sehen. „Mahmood“ ist der Lobenswerte. Murabbi Mirza Naseer Sb. aus London beschrieb unseren Vater mit den folgenden Worten:

„Sein Name war *Mahmood*, sein Leben war *Mahmood* und seine gesegnete Reise in die letzte Ruhestätte war ebenfalls *Mahmood*“